﴿ سلسلہ نمبرا ﴾

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر ان کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب

رحمہ اللہ واعلی درجاتہ وادام برکاتہ الی یوم الدین

وطن :

آپ کا آبائی وطن قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی ہے۔ یہ ضلع صوبہ یوپی کے مغربی کنارے پر واقع ہے صوبہ پنجاب کی مشرقی سرحد یہاں ملتی ہے درمیان میں دریائے جمنا حد فاصل ہے سہارنپور کی شرقی جانب دریا گنگا بہتا ہے یہ کوہ ہمالیہ کے قریب دوآبہ کے درمیان واقع ہے۔ دیوبند دیبی بن سے بن گیا ہے آئین اکبری ۹۶۳۔۱۰۱۴ھ میں دیوبند لکھا گیا ہے مگر ٹھیک اسی زمانہ تک دیبن بھی استعمال ہوتا تھا ٹھیک اسی زمانہ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے ایک نظم میں شیخ دانیال عثمانیؒ کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے ؎

شیخ عثمانی کہ بدر پارسائی بے نظیر

نازل دیہہ منونہ اصل دین و اِسلام

''زبدۃ المقامات'' سیرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میں ایک مکتوب بنام شیخ احمد دیبنی تحریر ہے ''دیبن موضعی است از مضافات سہارنپور میان دوآب'' دیوبند کے جنوب میں مظفر نگر مشرق میں بجنور اور جنوب میں ضلع کرنال ہے ضلع کا صدر مقام سہارنپور دیوبند سے شمال میں ہے سہارنپور کی آبادی کا آغاز ایک بزرگ شاہ ہارون چشتیؒ کے قیام سے بعہد غیاث الدین تغلق ۷۲۶ھ میں ہوا۔ پہلے شاہ ہارون پور اور پھر کثرتِ استعمال سے سہارنپور کہلانے لگا قدیم زمانے میں اندازاً ایک ہزار سال قبل مسیح کورو اور پانڈو کی جنگ جو مہا بھارت کے نام سے موسوم ہے جس میدان میں لڑی گئی اس میں دیوبند کی سرزمین بھی آتی ہے۔ منشی سری رام مترجم مہا بھارت نے بھی جلد چہارم میں جو نقشہ دیا ہے اس سے یہی امر واضح ہوتا

ہے۔ دیوبند کے جنوب میں تقریباً پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ''رنٹر کھنڈی'' نام سے موسوم ہے رنٹر کے معنی جنگ اور کھنڈ کے معنی حصہ یا علاقہ ہیں۔ دیوبند کا ذکر مارکنڈے پُران میں بھی ہے اور حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند کی آبادی کو طوفانِ نوح کے بعد آباد ہونے والے مقامات میں قرار دیا ہے (الھدیۃ السنیۃ وتاریخ دیوبند)۔

دیوبند میں مئی جون میں درجہ حرارت ۴۵ سینٹی گریڈ تک بھی پہنچ جاتا ہے یہ لُو کا زمانہ ہوتا ہے اور ۱۵ر جون سے موسم برسات شروع ہو جاتا ہے اور درجہ حرارت ۲۵ اور ۳۱ سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے دسمبر اور جنوری میں ۱۰ اور ۱۶ سینٹی گریڈ تک سرد ہو جاتا ہے۔ یہاں پختہ قلعہ بھی تھا جو سالار مسعود غازیؒ کے اولین مفتوحہ قلعوں میں ہے یہ سلطان محمود غزنویؒ کے بھانجے تھے اوائل پانچویں صدی ہجری کے اُوالعزم مجاہد تھے نوجوانی ہی میں دہلی میرٹھ قنوج اور بہرائچ وغیرہ مقامات پر نمایاں فتوحات حاصل کیں آخر میں بہرائچ میں مقیم تھے کہ گردونواح کی ریاستوں نے حملہ کیا اور آپ نے بہرائچ میں ۱۴ر رجب ۴۲۴ھ کو جام شہادت نوش کیا رحمہ اللہ، یوپی (جو پہلے یونائیٹڈ پروانسیز کا ایبری ویشن تھا اور اب اُتر پردیش کا ہے) کا شمال مغربی اضلاع کا علاقہ جو گنگ وجمن کے درمیان واقع ہے ہمیشہ مذہبی روایات کا حامل رہا ہے اور مقدس سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندوؤں کی عظیم تیرتھ گاہ ''ھر د و ار'' اسی جگہ واقع ہے جو ہمالیہ کی وادی میں خوبصورت جگہ ہے اور رشی کیش بھی یہیں ہے۔ اس علاقہ کے مشرقی گوشہ میں ہردوار اور مغربی سرے پر تھا نیسر کے قریب کورک شیتر کی قدیم تیرتھ گاہیں اس کے تقدس کی زندہ شہادتیں ہیں، گنگا و جمنا جو ہندوؤں کے مقدس دریا ہیں ان کا منبع بھی یہی ہے (تاریخ دیوبند ص ۲۴) سلطان محمود غزنویؒ (۳۸۷ھ۔۴۲۱ھ) کے پوتے سلطان ابراہیم بن مسعود (۴۵۰ھ۔۴۹۲ھ) کے نواحِ سہارنپور تک پہنچنے کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے تاریخ سہارنپور کے مصنف منشی نند کشور نے لکھا ہے کہ انہوں نے دیوبند کو آباد کرنے کی ہدایت کی۔ (تاریخ دیوبند ص ۵۹، ۶۰) شیر شاہ سُوری (۹۴۷ھ۔۹۵۳ھ) کی بنائی ہوئی شاہراہ اعظم جو سنار گاؤں سے رہتاس گڑھ تک بنائی گئی تھی دیوبند سے گزری ہے سنار گاؤں ڈھاکہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر اس زمانہ میں اہم مقام تھا اور رہتاس گڑھ ضلع جہلم میں ہے۔

خاندانی حالات :

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب اور ان کے بھائی مولانا مہتاب علیؒ دہلی عربیک کالج کے فاضل تھے۔ مولانا مہتاب علی تدریسی مشاغل میں رہے اور مولانا ذوالفقار علی پہلے بریلی کے کالج میں پروفیسر رہے اور پھر عرصہ تک ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر ملازمت سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے ان سے چھوٹے تین صاحبزادے اور تھے مولانا حکیم محمد حسن صاحب (مدرس وطبیب دارالعلوم

دیوبند)، مولانا حامد حسن صاحب مولوی حافظ محمد محسن صاحب اور دو صاحبزدایاں تھیں۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب بہت بڑے ادیب تھے جب سے دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تا حیات آپ اس کے رکن رہے آپ نے نہایت بلیغ عربی میں دارالعلوم کے حالات تحریر فرمائے ہیں اس رسالہ کا نام ہے ''الھدیۃ السّنیّہ ''(فی احوال المدرسۃ الاسلامیۃ الدیوبندیہ) قصیدۂ بردہ، قصیدۂ بانت سعاد، سبعہ معلقہ، دیوان حماسہ، دیوان متنبّی کے تراجم اور شرحیں لکھیں، معیار البلاغہ اور تسہیل الحساب وغیرہ بھی آپ کی یادگار ہیں آپ نے ۸۵ سال کی عمر پائی وفات کے وقت آپ کی اولاد واحفاد کی تعداد تریسٹھ تھی۔ دیوبند میں عثمانی خاندان اب سے چھ سو سال پہلے نویں صدی کے اوائل میں آباد ہوا۔ جدامجد شیخ ابوالوفاء عثمانی رحمہ اللہ تھے۔ یہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی (ولادت ۶۲۵ھ) کے خاندان سے ہیں شجرۂ نسب تاریخ دیوبند ص ۱۷ پر دیا گیا ہے۔

اس پورے خاندان کے جدامجد شیخ عبدالرحمٰن گازرونی ہیں جو مدینہ منورہ سے علاقہ ماوراء النہر گازرون چلے آئے تھے آپ سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کی فوج میں قاضی لشکر تھے۔ سلطان کے ہمراہ ہندوستان آئے اور پانی پت کی فتح کے بعد وہاں مقیم ہوگئے، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء آپ کی بارہویں پشت میں اور شیخ ابوالوفاء سترہویں پشت میں ہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ کتابیں اپنے عم مکرم مولانا مہتاب علی صاحب سے پڑھیں جب عمر مبارک پندرہ سال کے قریب تھی اور آپ قدوری اور تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے تو مسجد چھتہ میں دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ کو عمل میں آیا وہاں آپ نے ملا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسباق شروع کیے اور فنون کی بعض اعلیٰ کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ یہاں آج تک وہ انار کا درخت موجود ہے جس کے نیچے یہ تعلیم شروع ہوئی اور اب مسجد چھتہ ہی کے متصل دارالعلوم کی وسیع عمارت ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسجد چھتہ میں مدرسہ کی ابتداء کی وجہ بھی ذکر کردی جائے۔ دیوبند کے خاندان سادات کے ایک بزرگ حاجی سیّد محمد عابد صاحب رحمہ اللہ نوعمری میں سب سے پہلے مولانا ولایت علی رحمہ اللہ (م ۱۴۶۹ھ/۱۸۵۲ء) خلیفہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اس وقت وہ ستھانہ مرکز مجاہدین میں تشریف لے جاتے ہوئے دیوبند اور سہارنپور سے گزر رہے تھے اس کے بعد وہ اور حضرات سے مجاز ہوئے پھر سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز سے مجاز ہوئے حضرت شیخ الہند کے والد ماجد رحمہما اللہ تعالیٰ نے الہدیہ السنیۃ میں تحریر فرمایا ہے اور تذکرۃ العابدین میں بھی یہی ہے کہ آپ ہی پر الہام ہوا کہ مدرسہ قائم کرنا چاہیے اور سب سے پہلے اپنا چندہ پیش کیا حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کا قیام میرٹھ میں تھا آپ نے انہیں دعوت دی حضرت نے اپنے جلیل القدر شاگرد ملا محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھیج دیا اس کے بعد ۱۲۹۰ھ کے قریب حضرت نانوتوی قدس سرہ بھی دیوبند تشریف لے آئے اور بلا تنخواہ تعلیم دیتے رہے اور دیوبند کے مدرسہ میں وہ رُوح پھونکی جو اس کے قیام کا مقصد تھا لیکن معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت نانوتوی سے مستفیدین میں پہلے ہی سے اہل کابل رہے ہیں چنانچہ ۱۲۸۳ھ میں جو حضرات آپ سے پڑھ کر گئے ان میں نور محمد جلال آبادی (کابل)، عبداللہ جلال آبادی، بدرالدین عظیم آبادی، قادر بخش عظیم آبادی، عبدالکریم و نبی احمد پنجابی، حافظ عبدالرحیم بنارسی۔ان میں اکثریت افغانستان کے طلبہ کی ہے، دو پنجاب کے اور ایک یوپی کے ہیں (اسیرانِ مالٹا ص ۱۰)۔افغانستان کے موجودہ حکمران جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کے بزرگ یوسف خاں اور آصف خاں کو امیر کابل عبدالرحمٰن خاں نے جلاوطن کر دیا تھا اور برطانیہ سے اپنے تعلق کی بنا پر ان کو برطانوی ہند میں نظر بند کرادیا تھا وائسرائے ہند نے ان کے قیام کے لیے دہرہ دون تجویز کیا۔یہ سالہا سال دہرہ دون میں رہے دہرہ دون دیوبند اور گنگوہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے یہ دونوں حضرات حضرت گنگوہی و حضرت نانوتوی رحمہم اللہ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نبیرہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جب تقسیم سے کچھ عرصہ پیشتر کابل تشریف لے گئے تو اس خاندان کے حضرات نے ان کا وہی احترام کیا جو پیرزادوں کا کیا جاتا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ یوسف خاں اور آصف خاں جب ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں حاضر ہوئے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ''اگر حکومت آپ کے خاندان میں منتقل ہو تو پوری طرح عدل وانصاف سے کام لینا''۔اس وقت انتقال حکومت کا خیال بھی نہیں تھا مگر واقعہ یہی ہوا نیز سردار ہاشم خاں نے فرمایا کہ ان کے یہاں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کلاہ مبارک محفوظ تھی۔اور اس کی برکات کا ذکر فرمایا جو حاشیہ اسیرانِ مالٹا ص ۱۲ پر مذکور ہے۔میں نے یہ واقعہ یہاں اس لیے نقل کیا ہے کہ آگے بیان ہونے والے حالات سے اس کا ربط ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب حضرت نانوتوی اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کا قیام یکجا ہی رہا۔مسجد چھتہ کے حجرے قیام گاہ تھے۔(تاریخ دیوبند، الہدیۃ السنیۃ وتذکرۃ العابدین)

حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۲۸۶ھ سے ۱۲۹۰ھ تک حضرت نانوتوی قدس سرہ سے تعلیم کی تکمیل کی مگر اس زمانہ میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا قیام میرٹھ اور پھر دہلی میں رہا کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لے جا کر مقیم رہتے حضرت شیخ الہندؒ سفر حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے اور سلسلۂ تعلیم جاری رکھا استاذ کی شفقت اور اپنی ذکاوت سے بکمال تحقیق کتابیں پڑھیں صحاح ستہ کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی پڑھیں۔حضرت نانوتوی قدس سرہ ۱۸۵۷ء میں جہاد آزادی میں انگریزوں سے جہاد بالسیف بھی فرما چکے تھے یہی روح اس عظیم جامع صفات شاگرد رشید میں پیدا ہوئی۔شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے ''جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔'' (اسیرانِ مالٹا ص ۵ و تاریخ دیوبند) جب آپ ۱۲۹۱ھ میں کتب درسیہ کی تکمیل کر چکے تو آپ معین مدرس بنا دیئے گئے چار سال بعد

۱۲۹۴ھ میں آپ دارالعلوم کے مدرس چہارم قرار دیئے گئے پھر ۱۳۰۵ھ میں بالاتفاق صدارت مدرسین کا منصبِ جلیل آپ کے حوالہ کردیا گیا جس کے فرائض ۱۳۳۳ھ تک انجام دیتے رہے اس سال بھی حسب معمول رجب میں بخاری شریف ختم کرائی چوالیس سال تدریسی خدمات جاری رہیں۔

حضرت مولانا سیّد اصغر حسین عرف حضرت میاں صاحب جنہیں دیوبند کا بچہ بچہ جانتا تھا ایک باکمال ولی خدا کم گو خاموش طبع صاحب جلال وکشف وکرامت معروف تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں حدیث پاک کا درس بھی دیتے تھے وہ فقیہ محدث متوکل علی اللہ درویش باخدا زاہد باصفا مرشد کامل تھے۔ جن سے طلبۂ دارالعلوم اوران کے علاوہ بہت سے بندگانِ خدا نے سالہا سال علمی اور رُوحانی استفاضہ کیا وہ سیاسیات سے الگ رہے مگر اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کو ہر دور میں پہچانتے رہے حیات شیخ الہندؒ آپ ہی کی تصنیف ہے جو حضرت شیخ الہندؒ کی وفات سے کچھ دنوں بعد ہی شائع ہوگئی تھی وہ حضرت شیخ الہندؒ کے درس کی خصوصیات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ حلقہ ۲ درس کو دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا قرآن وحدیث حضرت کی زبان پر تھا اور آئمہ اربعہ کے مذاہب ازبر، صحابہ تابعین فقہاء مجتہدین کے اقوال محفوظ، تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں نہ منہ میں کف آتا تھا نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو جامع الغموض اور بھدی بناتے تھے نہایت سُبک اور سہل الفاظ بامحاورہ اردو میں اس روانی اور جوش سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ دریا اُمنڈ رہا ہے یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے ہزاروں دیکھنے والے موجود ہیں کہ وہی منحنی اور منکسر المزاج ایک مشت استخواں ضعیف الجثہ مردِ خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیرِ خدا ہے جو قوت وشوکت کے ساتھ اعلان حق کر رہا ہے۔ آواز میں کرختگی آمیز بلندی نہ تھی لیکن مدرسہ کے دروازے تک بے تکلف قابل فہم آواز آتی تھی لہجے میں تصنع اور بناوٹ کا نام نہ تھا لیکن خدا تعالی نے تقریر میں اثر دیا تھا بات دل نشین ہوجاتی تھی اور سننے والا بھی یہ سمجھ کر اُٹھتا تھا کہ وہ جو فرمارہے ہیں حق ہے بہت سے ذی استعداد اور ذہین وفطین طالب علم جو مختلف اساتذہ کی خدمتوں میں استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے شکوک وشبہات کے کافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے معانی اور مضامین عالیہ سن کر سرِ نیاز خم کرکے معترف ہوتے کہ یہ علم کسبی نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں ہے۔

مسائل مختلف فیھا میں آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل کرتے لیکن جب امام ابوحنیفہؒ کا نمبر آتا تو مولانا کے قلب میں انشراح چہرے پر بشاشت تقریر میں روانی لہجے میں جوش پیدا ہوجاتا دلیل پر دلیل شاہد پر شاہد قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر رُکتی ہی نہ تھی اور اس خوبی سے مذہب امام اعظم رحمہ اللہ کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج..... جاتے تھے۔ دُور کی مختلف المضامین احادیث جن کی

طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اُترتی چلی جاتی اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آجاتا تھا کہ یہی جانبِ حق ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی ''حجۃ الاسلام'' پڑھی کتاب پڑھتے ہوئے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا کہ جیسے علم اور ایمان میرے دل میں اوپر سے نازل ہو رہا ہے۔ بایں ہمہ آئمہ اسلام کا ادب واحترام اور ان کے کمالات کا اعتراف حضرت کی تعلیم کا ایک جزو لاینفک ہو گیا تھا خود بھی ایسی ہی تقریر فرماتے اور صراحت سے ذہن نشین کراتے کہ مذاہب مجتہدین حق ہیں اور وہ سب مستدل بالکتاب والسنہ ہیں۔ ان کی تنقیص موجب بدبختی اور سوء ادب باعث خسران ہے (ص ۴۵۶ تاریخ دیوبند بحوالہ حیات شیخ الہندؒ مصنفہ حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ ص ۲۳، ۲۵)

محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور آئمہ مجتہدین میں امام اعظمؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا حضرت مولانا السیّد حسین احمد المدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں اور حضرت کی سیرت مقدسہ اور صلاحیتوں کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں :

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہوگا اور ان کے اخلاق لائف پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی اقالیم سبعہ اس کے ایک زاویہ میں بھی اپنا پتہ بتلا نہ سکتی تھیں۔ اس نے بحر امدادی سے فیوضات حاصل کیے مگر ڈکار نہ لی اس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں مگر ہضم کر گیا اس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا دعوٰی نہ کیا شطحیات نہ سنائیں استقامت سے نہ ہٹا شریعت کو نہ چھوڑا عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا مگر دم نہ مارا ۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوستا کے نداند جام وسنداں باختن

روحانیت کی بھینی بھینی بادِ صبا اس کا سویداء اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھی مگر وہ دائرہ تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا۔ نسبت چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوء کی بجلی اس کے اطراف وجوانب اور اعضاء رئیسہ کو سوخت کرتی رہتی تھی مگر مثل شمع سوزاں کبھی اُف نہ کرتا تھا طریقت کے خوش آئندہ احوال اس پر متجلی ہوتے رہتے تھے مگر کبھی ان کی آوازِ ادنیٰ لوگوں کو سننے نہ دیتا تھا۔

اس نے فقط باطنی فیوضات کے لیے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود مجدد حدیث وفقہ وامام تفسیر وکلام وغیرہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو دفتر علماء میں شمار نہ ہونے دیا اس کی کسی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے آپ کو عالم اور ہادی خلق یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے اس نے جس فروتنی اور کسر نفسی سے اپنی زندگی گزاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی صرف خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین

واساتذہ کو دیکھا ہے بلکہ خود ان کے ان معاصرین کو جنہوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ ومشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علماء تو درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے پھر جبکہ کوئی فرد بشر اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات وسکنات للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں اغراض ونفسیانیت کا ان میں نام ونشان بھی نہ تھا۔ تو حسب قاعدہ نبویہ من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰه (جس نے اللہ کے لیے فروتنی اختیار کی اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا)۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی علوشان کا بارگاہ رب العزت میں پتا چلتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا وہ سب کچھ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرار ہما ہی کا فیض تھا مگر حسن قابلیت اور مبداء فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب وعدیم النظیر شگوفہ بنایا تھا۔ اللّٰهم ارض عنه وارضه وامدنابا مداده۔ آمین۔

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اس قدر عطا فرمایا تھا کہ واقف احوال دنگ رہ جاتا تھا لوگوں کے وہ عیوب واخلاق جن کو بڑا حلیم الطبع دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے۔ مولانا کی جبین پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے، معصیت خداوندی میں تو دوسری حالت تھی مگر غیر معصیت اور اصلاح خلق میں اور علیٰ ہذا القیاس تکالیف وآزار کے برداشت کرنے میں تو وہ ایک نہایت بلند مضبوط پہاڑ تھے کہ جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے نہ بجلی گرا سکتی ہے۔

اس تحمل اور قصد اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت وغیرہ کہہ دینے کی بھی نوبت آئی۔ مگر جبکہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پر ان کی نظر پڑی تو وہ دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر مقر ہوئے۔ فطرت نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل ودماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر وہ آپ ہی آپ تھے جن لوگوں نے مولانا کے درس میں کچھ زمانہ گزارا ہوگا اور پھر دوسرے علماء زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیت کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہہ یہ شعر صادق آتا ہے۔

وما شبه علماء البرية منكم الاكشبه الهر من اسد الشرى

(سارے عالم کے علماء کی مثال آپ کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے گربہ اور شیر بیشہ)

خداوند کریم کے کمالات کی جس طرح کوئی حد ونہایت نہیں اسی طرح ان کی فیاضیوں کی بھی کوئی حد ونہایت نہیں

ليس على اللّٰه بمستنكر ان يجمع العالم فى واحد

(اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے یہ عجیب بات نہیں کہ وہ سارے عالم کو شخص واحد میں سمیٹ دے)

جب کبھی کسی نے شعر وسخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اس قدر اردو، فارسی، عربی کے اشعار اس کو سننے پڑے ہیں کہ اس کو سوائے حیرانی کے اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع وہ عطاء فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہنچانتے اور اس میں تمیز کامل فرماتے تھے۔ وہ اعلیٰ درجہ کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقۂ علماء تو درکنار حذّاق شعراء بھی عش عش کر جاتے تھے۔ (اسیران مالٹا ص ۶۲ تا ۶۴) (حضرت مدنی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہندؒ سے چوبیس کتابیں پڑھی تھیں ان کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علیؒ سے ''فصول اکبری'' اور حضرت شیخ الہندؒ کے بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پنج گنج، صرف میر، نحو میر، مختصر المعانی، سلم العلوم، ملا حسن، جلالین شریف اور ہدایہ اولین پڑھی رحمہم اللہ)۔ آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہما اللہ سے خلافت حاصل تھی دارالعلوم میں صدارت تدریس کا مشاہرہ اس وقت ۷۵ روپے تھا مگر آپ نے ۵۰ روپے سے زیادہ کبھی قبول نہیں فرمائے بقیہ ۲۵ روپے دارالعلوم کے چندہ میں شامل فرمادیتے تھے آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث طلبہ کی تعداد ۲۰۰ سے بڑھ کر ۶۰۰ تک پہنچ گئی آپ کے زمانہ میں ۸۶۰ طلبہ نے حدیث نبوی سے فراغت حاصل کی حضرت شیخ الہندؒ کے فیض تعلیم نے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا منصور انصاری، مولانا حسین احمد المدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا سیّد فخر الدین احمد، مولانا محمد اعزاز علی امروہی مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی، مولانا احمد علی لاہوری، (مولانا رسول خاں ہزاروی) رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وغیرہم جیسے مشاہیر اور نامور علماء کی جماعت تیار کی (تاریخ دیوبند ص ۴۵۳ و ص ۴۵۴)۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی علمی بے نہایت استعداد سے جو ساری دنیا کو تسلیم ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ رات دن مطالعہ ہی میں مصروف رہتے ہوں گے ورنہ اس طرح باکمال درس نہیں دیا جاسکتا۔ جیسا کہ اوپر ان کے عظیم ترین شاگردوں نے بیان کیا ہے جو خود اپنی جگہ آسمانِ علم کے آفتاب وماہ تاب تھے۔

لیکن خداوند کریم کی ذات پاک سے جب کسی کا تعلق قوی ہو تو اس کے اوقات میں برکت ہونے لگتی ہے اگر یہ حضرات تعلیم کے ساتھ تصنیف وتالیف میں لگ جاتے تو بلاشبہہ وہ تبحر علمی دقت نظر اور حافظہ کے اعتبار سے غزالی دوراں رازی وقت کہلاتے اور حافظ الدنیا ابن حجر وسیوطی وابن کثیر رحمہم اللہ کے ہم پلہ ہوتے۔ آئمہ اسلام نے تصانیف بہت کی ہیں اگر ان کی تعداد اور بڑھادی جاتی تو یہ بھی مفید درمفید کام ہوتا لیکن ان حضرات کو اسلام دشمن فریبی فرنگی طاقت سے اہل اسلام کو نجات دلانے کا فکر دامن گیر رہتا تھا اور بقیہ سارا وقت بجائے تصنیف وتالیف کے اس تدبیر میں صرف ہوتا تھا جسے وہ انگریز کی جابر وعظیم طاقت سے خفیہ بھی رکھنا چاہتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے تقرر کو پانچ سال ہوئے تھے کہ

۱۲۹۷ھ میں آپ نے دارالعلوم ہی کے حلقہ میں ایک جماعت بنائی اس کا نام ''ثمرۃ التربیہ'' یعنی تربیت کا پھل تجویز فرمایا۔ بظاہر اس کا مقصد دارالعلوم کے مالی مفاد کے لیے فضلاء اور ہمدردانِ دارالعلوم سے رابطہ رکھنا تھا (اسیرانِ مالٹا ص ۹)۔ اصل مقصد ایسے با حوصلہ افراد کی تنظیم تھا جو قیام دارالعلوم کے مقصد ۱۸۵۷ء کی تلافی کے سلسلہ میں کام کرسکیں۔ (اسیرانِ مالٹا ص ۱۲)

سلاطین اسلام کے زمانہ میں کابل ہندوستان کا جزو رہا ہے انگریزوں نے بھی اس کا ارادہ کیا مگر ناکام رہے حضرت سیّد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی جدوجہد نے ہندوستانی اور سرحدی مجاہدین میں ایک رابطہ قائم کردیا جو انبالہ اور پٹنہ (صوبہ بہار) کے زمانہ ۱۸۶۴ء تک یعنی ''ثمرۃ التربیۃ'' کے قیام سے پندرہ سال پہلے تک استحکام کے ساتھ باقی رہا ان حضرات کے بعد امداد رسانی کا وہ تعلق ختم ہوگیا مگر مجاہدین کا رابطہ ختم نہیں ہوا۔ ہندوستانی مجاہدین سرحدی علاقوں میں باقی رہے۔ دارالعلوم دیوبند نے اس رابطہ کو استادی اور شاگردی کی شکل میں تبدیل کردیا جو انقلابی جدوجہد کے لیے پہلے سے بہت زیادہ مستحکم اور مفید ہوسکتا تھا خصوصاً جبکہ مولانا محمود حسن صاحب جیسا سیاسی اور مذہبی مقتدا نہ صرف استاد بلکہ شیخ اور مرشد بھی ہو جس کے دست حق پرست پر سلوک وطریقت کے لیے بھی بیعت کی جاتی ہو اور جہاد کے لیے بھی۔ (اسیرانِ مالٹا ص ۲۴)

اس عرصہ میں ثمرۃ التربیہ کی خدمات کیا تھیں اس کی کوئی دستاویز نہیں ہے البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں جمعیۃ الانصار کے نام سے اس کا ظہور ہوا۔ جمعیۃ الانصار کا سب سے پہلا اجلاس شوال ۱۳۲۸ھ (۱۵/۱۶/۱۷/ اپریل ۱۹۱۱ء) کو مرادآباد میں ہوا اس جلسہ کے صدر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق قدیم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص حضرت مولانا احمد حسن امروہی رحمہ اللہ تھے آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا :

> بعض نئی روشنی کے شیدائی کہتے ہیں کہ جمعیۃ الانصار ''اولڈ بوائز ایسوسی ایشن'' کی نقل ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے جمعیۃ الانصار کی تحریک غالباً اب سے تیس برس پہلے شروع ہوگئی تھی اور اس تحریک کے بانی مدرسہ عالیہ کے وہ طالب علم تھے جو آج علوم کے سرچشمہ اور آفتابِ فنون ہیں اور جن کی ذات بابرکات پر آج زمانہ جس قدر ناز کرے کم ہے لیکن یہ تحریک اس وقت ضروریات سے متعلق نہیں تھی اس لیے رُک گئی اور آخر اس کلیہ کی بناء پر کہ ضرورت ہر چیز کو خود بخود پیدا کردیتی ہے ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) سے اس انجمن کو دوبارہ زندہ کرکے جمعیۃ الانصار نام رکھا گیا۔ جمعیۃ الانصار ہرگز کسی انجمن کی نقل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے ذاتی مقاصد سے بحیثیت دنیاوی اس کا تعلق ہے بلکہ اس کے مقاصد وہ ضروری مقاصد ہیں جن کی آج بہت ضرورت ہے۔ (اسیرانِ مالٹا ص ۲۳)

اس خطبہ صدارت کے سطر کشیدہ الفاظ بہت اہم اور غور طلب ہیں۔

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تعلم میں افغانی طلبہ پڑھتے رہے تھے اس سے ۱۳۳۳ھ میں پیش آنے والے حالات اور احکامِ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جوڑ بیٹھتا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ''خودنوشت حالاتِ زندگی'' میں تحریر فرماتے ہیں :

> ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی تفصیلی پروگرام نہیں بتایا گیا تھا اس لیے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لیے جانا ضروری تھا خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا اور میں افغانستان پہنچ گیا۔ دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتا دیا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے انھوں نے بھی مجھے اپنا نمائندہ بنایا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہ بتلا سکے۔ کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کے حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں ان کو میرے جیسے خادم شیخ الہندؒ کی اشد ضرورت تھی اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کس قدر خوبصورتی سے ایک خفیہ اور گوریلا تنظیم بھی چلا رہے تھے کہ ذہین ترین شاگرد بھی اسے نہ سمجھ سکا حتی کہ جب منزل مقصود پر پہنچا تو منظر نے خود ہی اپنا مقصد بتلا دیا۔

اسی بناء پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مراکز اور رجالِ کار کا انگریز کی سی۔آئی۔ڈی بھی پتہ نہ چلا سکی بلکہ ۱۹۴۷ء تک تو جمعیۃ علماء ہند کے دفاتر میں بھی خاص ریکارڈ کبھی بھی نہیں رکھا جایا کرتا تھا۔ رجال کار بہت خفیہ رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک غالباً سب ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اگر باقی تھے تو ایسے کہ اپنے حلقۂ کار ہی کا حال بتلا سکتے تھے جیسے کہ ہر خفیہ تنظیم میں ہوا کرتا ہے بہر حال پھر بھی آپ کے کارناموں کے متعلق تصانیف ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ سب مل کر بھی ناکافی ہیں لیکن کچھ روشنی ضرور ملتی ہے اور واقعات کی کڑیاں جوڑنا ممکن نظر نہیں آتا جبکہ بہت سے یونٹوں والوں نے اپنی لکھی ہوئی طویل کتابیں تلاشیوں کے وقت جلا ڈالیں۔ آپ کے وقت میں آپ کی ذات گرامی پر جس قدر مسلمانوں کا قوی اور کثیر اجتماع ہو گیا تھا اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (امیر جماعت تبلیغ) ابن حضرت مولانا شاہ الیاس صاحب (بانی جماعت تبلیغ) رحمہما اللہ کے ان کلمات سے ہوتا ہے جو انہوں نے ۱۹۶۴ء میں حج کے موقع پر مدرسہ صولتیہ میں علماء کے خصوصی اجتماع سے خطاب کرتے وقت تمہیداً فرمائے تھے کہ ''مسلمانوں کا آپس میں اتنا متحد ہو

جانا کہ جتنے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہو گئے تھے یہ تو بہت محال ہے البتہ ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔'' اس کے بعد انہوں نے ظہر کے قریب تک اپنا خطاب بیٹھے بیٹھے جاری رکھا اس خطاب میں میں بھی حاضر تھا اور تقریباً بیس یا اکیس مختلف اطراف واکناف کے علماء بھی اور مولانا کے برابر فرانس کے مبلغ بیٹھے ہوئے تھے جنہوں نے وہاں اسلام کی دعوت واشاعت کا حال سنایا۔

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری دور تھا (مارچ ۱۹۶۵ء میں آپ کی وفات ہوئی) اور جماعت تبلیغ ساری دنیا میں کام کر رہی تھی۔ پھر ان کا اپنے تمہیدی خطاب میں یہ فرمانا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اجمالاً کسی قدر عظمت ظاہر کرتا ہے۔

اسیرانِ مالٹا میں تحریر فرماتے ہیں :

خلافت کمیٹی کے زعماء نے آپ کو ''شیخ الہند'' کا خطاب دیا تھا جو اسم گرامی کا مقبول اور مشہور جز بن گیا آپ وعظ وتقریر کے عادی نہ تھے لیکن انفاس قدسیہ اور خلوص نیت کی برکت تھی کہ آپ کی مالٹا سے واپسی پر قومِ مسلم کا یہ حال ہوا کہ اس کا قدم سب سے تیز تھا ہر ایک شخص تحریک کا متوالا جان اور مال کو قربان کرنے کے لیے آمادہ۔ ایک تھوڑی تعداد جو مخالف تھی اس کی حالت یہ تھی کہ جب دہلی میں اس گروہ کے بہت بڑے شخص کا انتقال ہوا تو باوجود یکہ وہ پہلے علماء نیز عام مسلمانوں میں بہت زیادہ رسوخ اور مقبولیت رکھتا تھا لیکن اس وقت حالت یہ تھی کہ تجہیز وتکفین کے لیے مسلمان تیار نہ تھے گھر کے مخصوص آدمیوں کے سوا کوئی شخص شریک جنازہ نہیں ہوا مجبوراً جنازہ کو موٹر میں قبرستان پہنچایا گیا۔ (معاذ اللہ)

شیخ الہندؒ درحقیقت اس وقت شیخ الہندؒ تھے۔ پورے ہندوستان کے مسلمہ قائد آپ ہی تھے حضرت شیخ الہندؒ ہی کی پارٹی کے افراد ہندوستان کے مسلمہ لیڈر تسلیم کیے گئے اور اسی کا اثر تھا کہ گاندھی بھی اعتراف کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ''میں مولانا محمد علی کی جھولی کا ایک مہرہ ہوں''۔

ایک خاص برکت جس کے دوبارہ مشاہدہ کے لیے آنکھیں ترستی ہیں اور بظاہر ترستی رہیں گی یہ تھی کہ شہر اور دیہات کے تقریباً تمام ہی مسلمان نمازی بن گئے، ضلع سہارنپور کے دیہات کی یہ حالت تھی کہ پنج وقتہ نمازیوں کی کثرت سے مسجدوں میں جگہ ملنی مشکل ہوتی تھی۔ (اسیرانِ مالٹا ص ۵۵ وص ۵۶ ملخصاً)

میرا مقصد اس مضمون میں صرف علمی کمالات کا تذکرہ تھا مجاہدانہ کارنامے اور سیاسی حالات ونظریات بیان کرنا نہیں ان کے لیے نقش حیات، علماء حق، اسیرانِ مالٹا وغیرہ تصانیف موجود ہیں۔ خداوند کریم ہمیں استقامت بر شریعت اتباع سنت اور ان اکابر کی پیروی نصیب فرمائے۔ **اللّٰھم ارفع درجاتھم جمیعا فی اعلی علیین**۔ آمین۔

۞ ۞ ۞